دار الافتاء جامعہ مدنیہ لاہور

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد
مدرس و نائب مفتی و فاضل جامعہ مدنیہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک فرد یا کچھ افراد یا کوئی تنظیم ٹورنامنٹ انعقاد کا اعلان بذریعہ پوسٹر یا پمفلٹ کرتی ہے، اِن پوسٹرز پر ٹورنامنٹ کے قواعد و ضوابط درج ہوتے ہیں، اس ٹورنامنٹ کو کھیلنے کیلئے ہر ٹیم کو ایک مخصوص رقم جو کہ انتظامیہ مقرر کرتی ہے ناقابلِ واپسی کی صورت میں جمع کروانی ہوتی ہے ٹورنامنٹ کھیلنے والی مختلف ٹیموں کو مختلف میچ جو بذریعہ قرعہ اندازی منعقد کیے جاتے ہیں کھیلنا ہوتے ہیں اِن میچوں کے ذریعے پہلے، دوسرے اور تیسرے نمبر پر آنے والی تین ٹیموں کو منتخب کرکے اعلان شدہ انعامات دیئے جاتے ہیں انعامات رقم یا کپ یا دونوں ہوتے ہیں انعامات کی ادائیگی درج ذیل طریقوں پر کی جاتی ہے،

نمبر ۱۔ ٹورنامنٹ انتظامیہ مختلف ٹیموں میں سے حاصل شدہ رقوم میں سے کچھ رقم اس ٹورنامنٹ کے انعقاد پر خرچ کی جاتی ہے اور کچھ رقم سے انعام یافتہ ٹیموں کو انعام دیا جاتا ہے باقی ماندہ رقم انتظامیہ رکھ لیتی ہے،

نمبر ۲۔ مختلف ادارے یا کچھ افراد اپنی یا اداروں کی تشہیر کیلئے ٹورنامنٹ انتظامیہ کے ساتھ مالی تعاون کرتے ہیں (مالی تعاون میں انعامات کی رقوم اور انتظامات کے لیے اشیاء بھی شامل ہوتی ہیں) انتظامیہ ٹیموں سے حاصل شدہ رقوم اور افراد یا اداروں سے لیے گئے تعاون کی کل رقم میں سے انعامات اور اخراجات سے زائد رقم انتظامیہ خود رکھ لیتی ہے، کیا اس طرح کا ٹورنامنٹ کا انعقاد اور کھیلنا اور دیکھنا جائز ہے یا نہیں،

الجواب باسم ملھم الصواب حامداً و مصلیاً

فی الوقت کونسا ٹورنامنٹ ایسا ہے جو قبائح و معاصی پر مشتمل نہ ہو۔ کرکٹ اور ٹیبل ٹینس وغیرہ تو ناجائز کھیل ہیں نہ فٹ بال اور ہاکی میں ستر کا پردہ نہیں کیا جاتا۔

علاوہ ازیں آجکل کھیلوں میں کھیل اور تماشہ محض لہو و لعب کے طور پر ہوتا ہے، جسمانی ضرورت یا جہاد کی تیاری مدِّ نظر نہیں ہوتی،

اگر جہاد کی تیاری کے طور پر جسمانی مشقت کے کھیل ہوں جن میں ستر اور نمازوں کا اہتمام وغیرہ ہو تو ٹورنامنٹ یا مُقابلہ بھی منعقد کرایا جاسکتا ہے، اس میں نمبر۲ صورت بلاشبہ جائز ہے اور نمبر۱ صورت ناجائز ہے، کیونکہ اس میں یا تو قمار و جُوّا ہوگا یا اجارہ فاسدہ ہوگا، اجارہ فاسدہ اس وقت جب ہم یہ خیال کریں کہ ٹیموں نے منتظمین کو اپنا اجیر بنایا ہے، اور یہ شرط رکھی ہے کہ وہ جیتنے والوں کو اپنے پاس سے انعام دیں گے، چونکہ یہ شرط فاسد ہے لہٰذا اجارہ فاسد ہُوا، قمار اس وقت ہوگا جب یہ خیال کیا جاتے کہ انعام کی رقم گویا علیحدہ دی اور اُجرت علیحدہ دی، یعنی جو کُل رقم دی اس میں کچھ حِصّہ اُجرت کا ہے اور کچھ حِصّہ انعام کیلئے ہے اور انعام کی رقم منتظمین کے پاس بطور امانت آئی،

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

○

انتقال پر ملال

گزشتہ ماہ جناب مولانا سعید الرحمان صاحب علوی جو مسجد الشفاء شادمان کے خطیب بھی تھے، اپنے آبائی وطن بھیرہ ضلع سرگودھا میں دِل کا دورہ پڑنے سے وفات پا گئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ مرحوم بہت سی خُوبیوں کے مالک تھے، اُن کی کمی کافی عرصہ محسوس کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ اُن کی لغزشوں سے درگزر فرماتے ہُوئے اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین

(ادارہ)

قسط ۴، آخری

مضامینِ علمیہ

"اصلاح مفاہیم" پر ایک نظر

کتاب "اصلاح مفاہیم" جو کہ تبصرہ کے لیے بھیجی گئی تھی قارئین اس پر تبصرہ پڑھ کر اندازہ کرسکتے ہیں کہ یہ کتاب فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا کا مصداق ہے۔ یعنی یہ کہ اس میں نفع کم ہے اور نقصانات زیادہ ہیں۔ لہٰذا ہم اس کتاب کے ناشرین سے بجا توقع رکھتے ہیں کہ وہ اس کتاب کی نشر و اشاعت سے لِلّٰہ فی اللہ اجتناب کریں گے

مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب

(۲) اہلِ قبور سے اس طرح استمداد کہ میرے لیے فلاں چیز کی دُعا کر دیجیے یا سفارش کر دیجیے۔

مولانا یوسف لدھیانوی مدظلہ فرماتے ہیں۔

"اس کا حکم یہ ہے کہ جو حضرات اس دُنیا میں تشریف فرما ہیں ان سے دُعا کی درخواست کرنا تو عین سُنّت ہے۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے وقت سے لے کر آج تک مُسلمان ایک دوسرے کو دُعا کے لیے کہتے آئے ہیں۔ رہے وہ اکابر جو اس دُنیا سے تشریف لے گئے ہیں اُن کی قبر پر جا کر اُن سے دُعا کی درخواست کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ اس کو سمجھنے کے لیے چند باتوں پر غور کرنا ضروری ہے۔

اوّل یہ کہ کسی کو خطاب کرنا اسی صورت میں صحیح اور معقول ہو سکتا ہے جبکہ وہ ہماری بات سُنتا بھی ہو۔ یہ مسئلہ کہ قبروں میں مُردے سُنتے ہیں یا نہیں۔ ہماری کتابوں میں سماعِ موتیٰ کے عنوان سے مشہور ہے اور اس مسئلہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے زمانے سے اختلاف چلا آتا ہے بعض اس کے قائل ہیں اور بعض انکار کرتے ہیں۔ دونوں طرف بڑے بڑے

اکابر ہیں۔ اس لیے اس مسئلے کا قطعی فیصلہ نہیں ہو سکتا کیونکہ جس مسئلہ میں صحابہ کرام کا اختلاف ہو اس میں کسی ایک جانب کو قطعی حق اور دوسری جانب کو قطعی باطل قرار دینا ممکن نہیں۔ پس جو حضرات سماع موتی کے قائل ہیں اُن کے نزدیک مردوں کو خطاب کیا جا سکتا ہے اور جو قائل نہیں اُن کے نزدیک مردوں کو خطاب کرنا ہی درست نہیں۔

دوم یہ کہ آیا سلف صالحین کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ اہلِ قبور سے دُعا کی درخواستیں کیا کرتے ہوں یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جو حضرات سماع موتی کے قائل نہیں تھے اُن کا معمول تو ظاہر ہے کہ یہ نہیں ہو سکتا تھا اور جو حضرات اس کے قائل تھے۔ ان میں سے بھی کسی کے بارے میں مجھے یہ معلوم نہیں ہے کہ اُن کا یہ معمول رہا ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے منقول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عمرہ کے لیے تشریف لے جا رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان سے فرمایا۔

یا اخی لا تنسنا من دعائک میرے بھائی ہمیں اپنی دُعا میں نہ بھولنا۔

(مسند احمد ص ۳۹ ج ۱)

مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت نہیں کہ آپؐ نے کسی نبی و صدیق کی قبر پر جا کر اُن سے دُعا کی فرمائش کی ہو۔ اسی طرح صحابہؓ و تابعین بھی ایک دوسرے سے دُعا کی درخواست کیا کرتے تھے مگر کسی سے یہ ثابت نہیں کہ انھوں نے کسی شہید کی قبر پر جا کر ان سے دُعا کی درخواست کی ہو۔

شاہ عبدالعزیز محدّث دہلویؒ کے فتاوٰی میں ہے۔

استمداد از اموات خواہ نزدیک قبور باشد یا غائبانہ بے شُبہ بدعت است در زمانہ صحابہ و تابعین نہ بود لیکن اختلاف است در آں کہ ایں بدعت سیئہ ست یا حسنہ۔

مردوں سے مدد طلب کرنا خواہ اُن کی قبروں پر جا کر کی جائے یا غائبانہ بلاشُبہ بدعت ہے۔ صحابہ و تابعین کے زمانے میں یہ معمول نہیں تھا، لیکن اس میں اختلاف

ہے کہ یہ بدعت سیئہ ہے یا حسنہ۔

سوم یہ کہ جب اس کے جواز و عدم جواز میں بھی کلام ہے اور سلف صالحین کا معمول بھی یہ نہیں تھا تو کیا اس کو مستحسن سمجھ کر اس کی اجازت دے دی جائے ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی چیز بدعت کہلاتی ہے۔ اسی بناء پر حضرت شاہ صاحبؒ نے اس کو بلا شُبہہ بدعت است فرمایا... مختصرًا اتنا عرض کر دیتا ہوں کہ جن چیزوں کو سلف صالحین نے مستحسن نہیں سمجھا اس میں ما و شما کا کوئی اعتبار نہیں۔ ایسے امور کے بارے میں امام ربّانی مجدد الف ثانی قدس سرّہٗ کا ارشاد ہے کہ

این فقیر در ہیچ بدعت ازیں بدعتہا حسن و نورانیت مشاہدہ نمی کند و جزء ظلمت و کدورت احساس نمی نماید (مکتوبات امام ربّانی صفحہ ۱۸۶ مکتوب دفتر اوّل)

یہ فقیر ان بدعتوں میں سے کسی بدعت میں حُسن و نورانیت کا مشاہدہ نہیں کرتا اور بدعتوں میں سوائے ظُلمت و کدورت اور کوئی چیز نظر نہیں آتی۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشادِ گرامی کہ ہر نئی چیز (جو دین کے نام سے ایجاد کی جاتے) بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔" نقل کر کے حضرت مجددؒ فرماتے ہیں۔

ہر گاہ ہر محدث بدعت است و ہر بدعت ضلالت پس معنی حسن در بدعت چہ بود ؟

جب ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے پس بدعت میں حُسن و خُوبی کے کیا معنی۔

یہاں یہ عرض کر دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ ساری بحث غیر انبیاء میں ہے۔ انبیاء کرام علیہم السّلام۔ خصوصًا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے بارے میں میرا عقیدہ حیات النبی کا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر صلاۃ و السّلام پڑھنے اور شفاعت کی درخواست کرنے کا مسئلہ ہماری کتابوں میں لکھا ہے۔ اس لیے جس سعادت مند کو بارگاہِ نبوّت کے آستانہ عالیہ پر حاضری نصیب ہو وہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں دُعا اور شفاعت کے لیے درخواست کرے تو میں اُسے جائز بلکہ مستحسن سمجھتا ہوں

کیا انبیاء و اولیاء کو اللہ تعالیٰ نے تصرف کرنے کی قدرت دے رکھی ہے۔

ویسے تو قرآنِ پاک اور احادیث نبویہ میں بکثرت نصوص موجود ہیں جن سے حقیقت حال پر واقفیت ہوتی ہے لیکن ہم یہاں چند ایک حوالجات نقل کرتے ہیں جو صریح اور غیر مؤوّل ہیں۔

۱۔ مولانا یوسف لدھیانوی مدظلہ لکھتے ہیں۔

"قرآن کریم حدیثِ نبوی اور عقائدِ اہلِ سُنّت میں اس عقیدے کی کوئی گنجائش نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کے کل یا بعض اختیارات آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو یا کسی اور کو دیے ہیں۔ اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ پوری کائنات کا نظام صرف اور صرف اللہ تعالےٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے اور اس میں اس کا کوئی شریک وسہیم نہیں۔ موت وحیات، صحتِ مرض، عطاء وبخشش سب اسی کے ہاتھ میں ہے . . . کسی نبی و ولی اور صدیق و شہید نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اسے کائنات میں تصرف کا حق دے دیا گیا ہے"۔

(ص ۳۴ اختلاف اُمّت اور صراط مستقیم)

۲۔ حضرت شاہ رفیع الدین صاحب رحمہ اللہ کفر کی رسموں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ودر تصرف در کائنات جزئیہ مانند کشادہ کردن رزق و دادن اولاد و دفع امراض وتسخیر ارواح و مانند آں بکار می آرند ایں خود شرک صریح است و دریں مقام عذرے نیست۔

اور جزئی حادثات کے تصرف میں مثلاً رزق کشادہ کرنا اور اولاد دینا اور امراض کا دور کرنا اور ارواح کو مسخر کرنا اور انکی مانند اور اشیا میں ان رسوم پر عمل کرتے ہیں اور یہ کارروائی خود صریح شرک ہے۔ اس مقام میں کوئی عذر نہیں ہے۔

(فتاویٰ شاہ رفیع الدینؒ، ص: ۷)

گویا شاہ صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک جزوی تصرف بھی شرک صریح ہے۔

(دل کا سرور ص ۳۹ ۔ مولانا سرفراز خان صاحب مدظلہ)

پچھلے صفحات میں ہم نے مصنف کی یہ عبارت نقل کی تھی۔

"ایک اور جگہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے سوال کرتے ہیں تو آپ ان کی حاجت برآری فرماتے ہیں۔ بلکہ ایک موقع پر دو معاملوں میں سے ایک کو اختیار کرنے کا فرماتے ہیں کہ یا تو مصیبت پر صبر کرلو تو میں جنت کی ضمانت دیتا ہوں یا مصیبت

کو فوراً ختم کیے دیتا ہوں جیسا کہ نابینا صحابی رضی کے ساتھ پیش آیا اور اس عورت کے ساتھ پیش آیا جس کو مرگی ہوئی تھی اور حضرت قتادہ جن کی بینائی زائل ہو گئی تھی ان کو بھی اختیار دیا گیا۔"

(ص ۲۰ اصلاح مفاہیم)

ہم افسوس کے ساتھ یہ بات کہنے پر مجبور ہیں کہ مصنّف نے یہاں علمی خیانت کی ہے جس کے خوفناک نتائج میں سے ایک یہ ہے کہ بعض لوگ مصنف مترجم اور ناشرین پر اعتماد کرتے ہوئے غلط بات کو اپنا عقیدہ بنا سکتے ہیں۔

جس عورت کو مرگی کی تکلیف تھی اس کا قصہ یوں ذکر ہے۔

عن عطاء بن ابی رباح قال قال لی ابن عباس الا اریك امرأة من اهل الجنة قلت بلی قال هذه المرأة السوداء اتت النبی ﷺ فقالت یا رسول الله انی اصرع و انی اتکشف فادع الله فقال ان شئت صبرت و لك الجنة و ان شئت دعوت الله ان یعافیك فقالت اصبر فقالت انی اتکشف فادع الله ان لا اتکشف فدعا لها متفق علیه۔

(مشکوٰۃ فصل ثالث باب عیادۃ المریض)

عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی نے مجھ سے کہا کہ کیا میں تمہیں جنتی عورت نہ دکھاؤں۔ مَیں نے کہا کہ کیوں نہیں (ضرور دکھایئے) انہوں نے فرمایا کہ یہ حبشی عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا کہ مجھے مرگی کا دورہ پڑتا ہے اور میرا ستر کھل جاتا ہے تو آپ اللہ سے دعا کیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم چاہو تو صبر کر لو (اس پر) تمہارے لیے جنت ہوگی اور اگر تم چاہو تو مَیں اللہ سے دعا کر دوں کہ وہ تمہیں عافیت (صحت) دے دیں۔ اس عورت نے کہا کہ میں صبر کروں گی (البتہ) آپ اتنی دعا فرما دیجیے کہ میرا ستر نہ کھلے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرما دی۔

قارئین نے ملاحظہ فرمایا کہ روایت پوری موجود ہے۔ مصنف نے جس بات کا دعویٰ کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اختیار دیا کہ "یا تو صبر کر لو تو مَیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں یا

مصیبت کو فوراً ختم کیے دیتا ہوں"۔ اس کی صراحت تو کیا اشارہ بھی نہیں ملتا۔ اس کے برعکس روایت کے مطابق عورت نے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم سے دُعا کی درخواست کی جس پر نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ یا تو صبر کر لو (اور اس صبر کے بدلے میں) اللہ تعالیٰ تمہیں جنّت عطا فرمائیں گے۔ (اس میں جنت کی ضمانت دینے کا معنی خود مصنّف کا اپنا اختراعی ہے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کا کلام اس کا محتاج و مقتضی نہیں ہے۔) یا چاہو تو میں اللہ تعالےٰ سے تمہارے لیے صحت کی دُعا کر دوں۔ (کہاں آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا یہ ارشاد کہ میں تمہارے لیے دُعا کر دوں اور کہاں مصنف کا یہ دعوٰی کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے یہ فرمایا کہ میں تمہاری مصیبت کو فوراً ختم کیے دیتا ہوں) نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اگر مصنّف کے مزعومہ الفاظ فرمائے ہوتے تو اُن کی تاویل کی جاتی، لیکن مصنّف ہیں کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے الفاظ کو اور ہی معنی دے کر تعبیر و کلام ہی کو بدل رہے ہیں۔

اسی طرح حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کے قصہ میں ہے کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان سے فرمایا ان شئت رددتها و دعوت الله (اگر تم چاہو تو میں آنکھ کے ڈھیلے کو اس کی جگہ رکھ کر اللہ سے دُعا کروں کہ وہ صحیح کر دیں) حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا حضرت یہی میری آرزو ہے، چنانچہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے آنکھ کے ڈھیلے کو اُٹھا کر اس کی جگہ پر رکھ کر دُعا کی اللّٰھم اکسہ جمالا یعنی اے اللہ اس کی آنکھ کو جمال اور روشنی عطا فرما۔

(دل کا سرور ص۱۵۸ مولانا سرفراز خان صاحب مدظلہ)

اس قصّہ میں بھی ہمیں کوئی بھی تو ایسی بات نہیں ملتی جس سے مصنف کا دعوٰی ثابت ہوتا ہو۔ ہمیں تو یہ ڈر ہے کہ مصنّف کا یہ عمل کہیں اس حدیث کا مصداق نہ بن جائے کہ من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار (یعنی جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ گھڑا وہ اپنا ٹھکانا جہنّم میں بنالے)

کیا نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کیلئے صوفیاء کا اصطلاحی تصرف ثابت ہے؟

یہاں یہ وضاحت کر دینا مناسب ہوگا کہ توجہ باطنی کے ذریعے دوسرے شخص پر کوئی

اثر ڈالنے کو صوفیہ کی اصطلاح میں تصرف و توجّہ اور ہمّت وغیرہ کہا جاتا ہے، ہوسکتا ہے کوئی یہ وہم کرے کہ مصنّف نے جہاں کہیں نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے لیے تصرف کا لفظ استعمال کیا ہے اس سے مراد مصطلحِ صوفیہ ہو۔ تو اس خیال کو دفع کرنے کے لیے ہم کہتے ہیں کہ اوّل تو متعلقہ تمام مذکورہ بالا اقتباسات کے مطالعہ کرنے کے بعد کسی کے لیے ایسا وہم کرنے کی گنجائش نہیں رہتی۔ علاوہ ازیں مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ اپنے رسالہ التعرف فی تحقیق التصرف میں فرماتے ہیں۔

"نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے نقل صحیح کے ساتھ یہ منقول ہے کہ آپ نے بعض لوگوں کے سینہ پر ہاتھ مارا جس سے اُن کا وسوسہ جاتا رہا اور بعض بیماروں کے بدن پر دستِ مُبارک پھیرا جس سے اُن کا مرض جاتا رہا۔ اس سے بعض لوگوں کو یہ وہم ہوگیا کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے تصرف کا استعمال فرمایا... لیکن جب غور سے دیکھا جائے تو یہ استدلال تام نہیں ہے کیونکہ عمل تصرف ہونا اس کا محتاج ہے کہ نقل صحیح سے یہ ثابت ہو کہ آپ نے اپنی باطنی قوّت کو ان آثار کے پیدا کرنے کے لیے جمع فرمایا ہو اور یہ بات نہیں ہے بلکہ یہ احتمال بھی ہے کہ آپ نے یہ افعال اس بناء پر کیے ہوں کہ آپ کو بذریعہ وحی ان افعال کا ان لوگوں کے حق میں بدون جمع خواطر و استعمال تصرف نافع و مفید ہونا معلوم ہوگیا ہو اور اس احتمال کی بنا پر یہ افعال اصطلاحی تصرف میں ہرگز داخل نہیں ہوسکتے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام علمائے اُمّت نے ان واقعات کو معجزات میں شمار کیا ہے جو کہ تصرف سے بالکل جُدا ہیں اور سب سے زیادہ واضح قرینہ اس بات پر کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے کبھی تصرف صادر نہیں ہُوا یہ ہے کہ آپ نے ابوطالب کے قلب میں تصرف نہیں فرمایا باوجودیکہ آپ اُن کے ایمان لانے کے بہت زیادہ متمنی اور خواہش مند تھے، بلکہ ان کے لیے صرف دُعا اور دعوت دینے پر اکتفا فرمائی۔" (بوادر النوادر ص ۸۴۳)

(۳) خرق عادت چیزوں کی طلب پر کیا نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم اُن کو پُورا کروانے پر قادر تھے

کتاب اصلاح مفاہیم کا متعلقہ اقتباس دوبارہ ملاحظہ فرمائیے۔

"... یہی حکم دوسری خوارق عادت چیزیں طلب کرنے کا بھی ہے جیسے بدون دوا کے پُرانے

مرض کو ٹھیک کر دینا اور ضرورت کے وقت بدوں بادل کے بارش برسوا دینا۔ بعض اشیاء کی حقائق کو بدل دینا اور انگلیوں سے پانی کا پھوٹ پڑنا کھانے کا زیادہ ہوجانا وغیر ذلک یہ اشیاء بھی عادۃً انسان کے بس کی نہیں، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عند الطلب ایسا فرما دیا کرتے تھے اور ان سے یہ نہ فرماتے تھے کہ تم نے شرک کیا اسلام و ایمان کی تجدید کرو۔ اور اس مقام کی وضاحت یہ ہے کہ لوگ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ سے اپنی حاجات کے بارے میں اللہ کی بارگاہ میں شفاعت کرتے ہیں اور شفاعت و سفارش پر اللہ جل شانہٗ نے قدرت دی ہے۔"

مصنّف نے خوارق عادت کے حکم کے لیے جس حکم کو نظیر بنایا ہے یعنی استعانت و استغاثہ کا حکم اس کو بھی دوبارہ ملاحظہ فرما لیجیے۔

"یہ بات یقینی طور پر معلوم ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بذاتِ خود ان اُمور کو نہیں کرتے تھے بلکہ اللہ کے حکم اور اللہ جل شانہٗ کی عطا کردہ قوّت و قدرت سے پُورا فرما دیا کرتے تھے۔"

(ص۲۰ اصلاح مفاہیم)

تبصرہ مصنّف کے ان اقتباسات کا حاصل یہ ہے کہ خرق عادت چیزوں کے طلب کرنے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے سفارش و شفاعت کرتے تھے۔ اور آپ کی طلب و دُعا قبول ہوتی تھی اللہ تعالیٰ آپ کو اس کام کو کرنے کی قدرت دے دیا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کام کو (پورا) فرما دیا کرتے تھے۔

قارئین نے ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ مذکورہ حاصل کے لیے ہم نے مصنّف کے کلام میں کوئی کھینچا تانی اور زبردستی نہیں کی بلکہ خود مصنّف ہی کا ان اُمور کے بارے میں فہم واضح نہیں ہے

خرق عادت یعنی معجزہ کے بارے میں اہل سُنت کا جو مذہب ہے وہ مصنّف کے مذہب سے بالکل مختلف ہے۔ چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ اپنی کتاب "منصب امامت" میں خوارق عادات پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"بیانش آنکہ حق جل و علا بقدرۂ خود در عالمِ تکوین تصرفے عجیب و غریب بنا بر تصدیق مقبولے از مقبولانِ خود می فرماید نہ آنکہ قدرتِ صدورِ خرقِ عادت در او ایجاد می نماید و او را باظہارِ آں مامور می نماید حاشا وکلا قدرت در عالمِ تکوین از خواص قدرتِ ربانی است نہ از آثارِ قوتِ انسانی" (منصب امامت ص۳۱)

اس کا بیان بایں طور ہے کہ حق تعالیٰ اپنے مقبول بندوں میں سے کسی کی تصدیق کے لیے اپنی قدرتِ کاملہ سے عالمِ تکوین میں کوئی عجیب و غریب تصرف فرماتا ہے نہ یہ کہ خرقِ عادت کے صادر کرنے کی قدرت اس مقبول بندہ میں ایجاد کرتا ہے اور اس کو اس کے اظہار پر مامور کرتا ہے۔ حاشا وکلّا معاملہ یوں نہیں ہے کیونکہ عالمِ تکوین کے اندر قدرت یہ تو محض قدرت ربانی کے خواص سے ہے نہ کہ قدرت انسانی کے آثار سے۔ (بحوالہ راہ ہدایت، مولانا سرفراز خان صاحب مدظلہ ص۳۷)

مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اپنی کتاب خوارق عادات میں لکھتے ہیں۔

"یاد رکھو جس چیز کا نام ہم معجزہ رکھتے ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کا ایک فعل ہے جو اس کی عام عادت کے گو خلاف ہو مگر عادتِ خاصہ کے خلاف نہیں ہوتا بلکہ اس کے موافق ہوتا ہے کیونکہ خاص اوقات میں مخصوص مصالح کی بنا پر عام عادت کو چھوڑ کر خوارق و معجزات کا ظاہر کرنا یہ بھی حق تعالیٰ کی خاص عادت ہے۔" (ص۳۱)

نیز لکھتے ہیں۔

یاد رکھیے کہ معجزہ خدا کا فعل ہوتا ہے اس کو نبی کا فعل سمجھنا سخت غلطی ہے (ص۳۲)

نیز ارقام فرماتے ہیں۔

"بلکہ جس طرح ہم قلم لے کر لکھتے ہیں اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قلم لکھتا ہے اور فی الحقیقت اس کو لکھنے میں کوئی اختیار نہیں ہوتا یہی صورت معجزہ کی بھی ہوتی ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ انبیاء جس وقت چاہیں انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری کر دیں بلکہ جس وقت اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ مقتضی ہوتی ہے جاری ہو سکتے ہیں۔ (ص۳۳) (بحوالہ راہ ہدایت، ص۳۹)

ان حوالجات سے یہ بات بخوبی واضح ہوئی کہ اہلِ سنّت کے نزدیک خرق عادت امور یعنی

معجزات محض اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السّلام کو اُن کے صادر کرنے کی کوئی قدرت نہیں دی جاتی اور جو لوگ ان میں نبی کا تصرف مانتے ہیں (قطع نظر اس سے کہ وہ قدرت پہلے ہی اکٹھی دے دی گئی ہو یا ہر ہر معجزہ کے وقت خاص اس معجزہ کے لیے دی جاتی ہو) وہ اہلِ سُنّت نہیں بلکہ حکماء و فلاسفہ ہوتے ہیں۔ علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

والنبی عندھم مجبول علی التصریف فی الاکوان مھما توجه الیھا واستجمع لھا بما جعل اللہ له من ذالک والخارق عندھم یقع للنبی۔

اور حکماء کے نزدیک نبی کوان میں تصرف کرتے ہیں جبکہ وہ اُن کی طرف توجہ کریں اور اُن کا ارادہ فرمائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو تصرف کرنے کا اختیار عطا کیا ہے۔ (بحوالہ راہ ہدایت ص۴۳)

پھر مصنف کی بات سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ ہر خارق عادت کے طلب کے وقت نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم اس کو پُورا کروا دیا کرتے تھے۔ ایسی کوئی تفصیل ذکر نہیں کہ بعض اوقات پُورا کروا دیا کرتے تھے یا یہ کہ جب اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوتا تھا اس وقت پُورا کروا دیا کرتے تھے اور جب اللہ تعالیٰ کا ارادہ نہیں ہوتا تھا تو اپنی عدم قدرت کے اور اللہ تعالیٰ کے عدم ارادہ کا اظہار فرما دیا کرتے تھے۔ حالانکہ خوارق عادت امور کا مطالبہ صرف کافروں کی جانب سے ہوتا رہا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی جانب سے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم سے یہ مطالبہ کبھی نہیں کیا گیا کہ آپ خرق عادت فعل کر دیں۔ ہاں آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے دُعا کی درخواست کی جاتی تھی۔

جہاں تک کافروں کے خوارق عادت افعال کے مطالبہ کا تعلق ہے تو جب اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ ان کے صادر کرنے کی مقتضی نہیں ہُوئی تو باوجود اس کے کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم اس بات کے حریص تھے کہ کافر ایمان لے آئیں وہ معجزات وقوع میں نہ آتے۔ قرآن پاک میں ہے۔

وَاِنْ کَانَ کَبُرَ اور (اے نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم) اگر آپ

عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ أَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاءِ فَتَأْتِيَهُمْ بِآيَةٍ۔ (انعام رکوع ۴)

پر گراں ہے اُن کا منہ پھیرنا تو اگر آپ سے ہوسکے کہ ڈھونڈ نکالیں کوئی زمین میں سُرنگ کوئی سیڑھی آسمان میں پھر لائیں آپ اُن کے پاس کوئی معجزہ (تو لے آئیں۔)

علامہ سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

فتاتیھم باٰیۃ مما اقترحوا فافعل المعنی انك لا تستطیع ذلك فاصبر حتی یحکم اللہ (جلالین)

پھر لے آئیں آپ اُن کے پاس کوئی معجزہ جو اُنھوں نے طلب کیا ہے تو لے آیئے۔ مطلب یہ ہے کہ بیشک آپ معجزہ لانے کی طاقت نہیں رکھتے تو آپ صبر کیجیے حتّٰی کہ اللہ تعالیٰ کوئی فیصلہ صادر کرے۔

یہ مضمون اس امر کی واضح دلیل ہے کہ معجزہ لانا نبی کے بس میں نہیں ہوتا اور نہ ہی ایسی کوئی ضمانت ہے کہ جب بھی عند الطلب نبی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سفارش وشفاعت فرمائیں تو مطلوب معجزہ ضرور ہی ظاہر فرمادیا جائے۔

ہم نے اُوپر جو یہ، کہ خرقِ عادت اُمور کے مطالبہ کی روش کفّار کی تھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نہیں تھی بلکہ وہ تو فقط دُعا کی درخواست کرتے تھے یا دُعا کے متمنی ہوتے تھے۔ اس کی دلیل میں ہم چند واقعات ذکر کرتے ہیں۔

(۱) بدون دوا کے مرض کا علاج۔

(الف) مرگی والی عورت کا قصّہ جو اُوپر مذکور ہُوا۔

(ب) حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی آنکھ کا قصّہ جو اُوپر مذکور ہُوا۔

(ج) عن ابن عباس قال ان امرأۃ جاءت بابن لھا الی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم فقالت یا رسول اللہ ان ابنی بہ جنون وانہ لیأخذہ عند غدائنا و عشائنا فمسح رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم صدرہ

ودعا فثعّ ثعّةً وخرج من جوفه مثل الجرو الاسود یسعی

(مشکوٰۃ باب المعجزات)

ایک عورت اپنے بیٹے کو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس لائی اور کہا کہ یا رسول اللہ میرے بیٹے کو جنون ہے اور اس کا دورہ اُس کو صبح اور شام کے وقت پڑتا ہے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بچّے کے سینے پر ہاتھ پھیرا تو اس نے قے کی اور اس کے پیٹ میں سے سیاہ پلا نکلا جو دوڑتا تھا۔

(۲) بارش کا برسنا

عن انس قال اصابت الناس سنة علی عهد رسول الله صلّی الله علیه وسلّم فبینا النبی صلّی الله علیه وسلّم یخطب فی یوم الجمعة قام اعرابی فقال یا رسول الله هلك المال وجاع العیال فادع الله لنا فرفع یدیه وما نری فی السماء قَزَعَةً فوالذی نفسی بیده ما وضعها حتی ثار السحاب امثال الجبال ... الخ

(مشکوٰۃ ص: ۵۳۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانے میں قحط پڑا تو اس دوران کہ جمعہ کے دن رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم خطبہ دے رہے تھے کہ ایک اعرابی کھڑا ہُوا اور کہا کہ یا رسول اللہ مال ہلاک ہو گئے اور عیال بھوکے ہو گئے آپ اللہ سے ہمارے لیے دُعا فرما دیجیے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے (دُعا کے لیے) اپنے ہاتھ اُٹھائے۔ اس وقت ہم آسمان میں کوئی بادل کا ٹکڑا نہ دیکھتے تھے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ آپ نے ہاتھ چھوڑے نہ تھے کہ بادل پہاڑوں کی مانند اُمنڈ پڑے۔

(۳) اُنگلیوں سے پانی پھُوٹنا

عن جابر قال عطش الناس یوم الحدیبیة ورسول الله صلّی الله علیه وسلّم بین یدیه رکوة فتوضأ منها

ثم اقبل الناس نحوه قالوا لیس عندنا ماء نتوضأ به ونشرب الا ما فی رَکْوَتِكَ فوضع النبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم یدہ فی الرکوۃ فجعل الماء یفور من بین اصابعہ کامثال العیون ... الخ (مشکوٰۃ، ص۵۳۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حدیبیہ کے موقع پر (پانی ختم ہونے کے باعث) لوگ پیاسے ہوئے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے ایک چھاگل تھی۔ آپ نے اس سے وضو کیا۔ پھر لوگ آپ کے پاس آئے اور بتایا کہ ہمارے پاس پانی نہیں ہے کہ ہم اس سے وضو کریں اور اس کو پیئیں۔ بس جو ہے وہ آپ کی چھاگل میں ہے تو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے چھاگل میں اپنا ہاتھ ڈالا اور پانی آپ کی انگلیوں سے چشموں کی مانند پھوٹنے لگا۔

دیکھیے اس قصہ میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تنگی کے وقت میں نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم سے آکر کسی خرق عادت کام کا مطالبہ نہیں کیا، بلکہ آپ کے سامنے محض اپنی پریشانی کا ذکر کیا اور اس میں کوئی حرج بھی نہیں۔ باقی یہ کہ اللہ تعالیٰ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے کیا صورت بناتے یہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے طے کرنے کی بات نہیں تھی۔

(۴) کھانے کا زیادہ ہونا۔

عن ابی ھریرۃ قال لما کان یوم غزوۃ تبوك اصاب الناس مجاعۃ فقال عمر یا رسول اللّٰہ ادعھم بفضل ازوادھم ثم ادع اللّٰہ لھم علیھا بالبرکۃ فقال نعم فدعا بِنَطْعٍ فبسط ثم دعا بفضل ازوادھم فجعل الرجل یجیٔ بکف ذرۃ ویجیٔ الآخر بکف تمر ویجیٔ الاخر بکسرۃ حتی اجتمع علی النطع شئ یسیر فدعا رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم بالبرکۃ ... الخ (مشکواۃ، ص: ۵۳۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر لوگوں کو بھوک نے

آ لیا۔ حضرت عمرؓ نے رائے دی کہ یا رسول اللہ آپ لوگوں سے اُن کا بچا کھچا زاد منگوا لیجئے پھر اللہ سے اُن کے لیے اس پر برکت کی دُعا فرمائیے۔ آپ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے آپ نے چمڑے کا ایک دستر خوان منگوایا جو بچھایا گیا۔ پھر آپ نے لوگوں کا بچا کھچا زاد منگوایا تو لوگ لانے لگے کوئی ایک مٹھی چینا کی کوئی ایک مٹھی چھواروں کی کوئی روٹی کے ٹکڑے کی یہاں تک کہ دستر خوان پر کچھ تھوڑا بہت جمع ہو گیا۔ پھر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے برکت کے لیے دُعا فرمائی۔

⑤ قرض کی ادائیگی

عن جابر قال توفی ابی و علیہ دین فعرضتُ علی غرمائہ ان یاخذوا التمر بما علیہ فابوا فاتیت النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم فقلت قد علمتَ ان والدی استشہد یومَ احدٍ و ترك دینا کثیرا و انی احب ان یراك الغرماءُ فقال لی اذھب فبَیْدِرْ کلَّ تمرٍ علیٰ ناحیۃٍ ففعلت ثم دعوتہ فلما نظروا الیہ کانھم اغروا بی تلك الساعۃ فلما رایٰ ما یصنعون طاف حول اعظمھا بیدرا ثلاث مرات ثم جلس علیہ ثم قال ادع لی اصحابك فمازال یکیل لھم حتی ادّیٰ اللہ عن والدی امانتہ ... الخ

مشکوٰۃ باب المعجزات فصل اوّل)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے والد کی وفات ہوئی تو اُن پر قرض تھا۔ مَیں نے اُن کے قرض خواہوں کو پیش کش کی کہ وہ پُورے قرض کے بدلے میں کھجور کی کل پیداوار لے لیں لیکن وہ نہ مانے تو میں نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس آیا اور عرض کی کہ آپ جانتے ہیں کہ میرے والد جنگ احد میں شہید ہو گئے تھے اور ان پر بہت سا قرض تھا۔ مَیں یہ چاہتا ہوں کہ قرض خواہ آپ کو دیکھ لیں (اور میرے ساتھ رعایت کریں) آپ نے مجھ سے فرمایا کہ تم جاؤ اور ہر قسم کی کھجور کی علیحدہ علیحدہ ڈھیری لگا دو۔ مَیں نے ایسا ہی کیا اور پھر آپ صلّی اللہ

علیہ وسلّم کو بُلایا۔جب قرض خواہوں نے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کو دیکھا تو وہ مجھ سے سختی سے مطالبہ کرنے لگے۔جب آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جو وہ کر رہے تھے دیکھا تو سب سے بڑی ڈھیری کے گرد تین بار چکر لگایا۔پھر اس پر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ اپنے قرض خواہوں کو بلاؤ اور آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم ان کو پیمائش کر کر کے دیتے گئے یہاں تک کہ اللہ نے میرے والد کا قرضہ اُتروا دیا۔

قارئین نے ملاحظہ فرمایا کہ اس قصّہ میں بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم سے آکر یُوں استغاثہ نہیں کیا کہ آپ میرا قرض اُتار دیجیے اور نہ ہی کسی خرقِ عادت کام کا مطالبہ کیا بلکہ فقط یُوں درخواست کی کہ آپ میرے ساتھ چلیں شاید کہ قرض خواہ آپ کو دیکھ کر میرے ساتھ رعایت کا معاملہ فرمائیں۔پھر جب سب قرض خواہوں کا قرض اُتر گیا تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے حقیقتًا تو کیا مجازًا بھی یہ نہیں کہا کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے میرا قرض اُتار دیا بلکہ یُوں کہا کہ اللہ تعالیٰ نے قرض اُتار دیا۔

○

اس بحث کے آخر میں ہم مصنّف کے مزید تین استدلالوں پر تنبیہ کرتے ہیں جو کہ اصلاح طلب ہیں۔

استدلال اوّل

مصنّف لکھتے ہیں۔

"اگر استغاثہ و توسل وغیرہ آپ کی حیاتِ مُبارکہ میں صحیح ہے جیسا کہ تم کہتے ہو تو سُن لو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسّلام اور دیگر اللہ کے نیک بندے رضی اللہ عنہم اپنی قبور میں زندہ ہوتے ہیں اور نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی وفات کے بعد آپ سے استغاثہ و توسل کی صحت کی دلیل فقیہ کے لیے صرف قیاس کافی ہے کہ وہ فقیہ حیاتِ طیبہ میں استغاثہ و توسل کی صحت پر قیاس کرلے کیونکہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم حیی الدارین ہیں"

(اصلاح مفاہیم، ص: ۱۸۵)

تبصرہ، ہم کہتے ہیں کہ اوّل تو جس قسم کا استغاثہ اور توسل مصنّف ثابت کرنا چاہتے

ہیں وہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں بھی محتاجِ دلیل ہے بلکہ جیسا کہ ہم نے تفصیل ذکر کی ہے وہ اہلِ سُنّت کے طریقے کے مخالف ہے تو اس پر قیاس کیوں کر صحیح ہوگا۔

علاوہ ازیں یہ کوئی فروعی عملی مسئلہ تو نہیں کہ جس میں قیاس جاری ہو سکے۔ یہ تو عقائد کی بات ہے اور اہلِ علم بخوبی جانتے ہیں کہ عقائد میں قیاس جاری نہیں ہوتا اور پھر قیاس بھی مع الفارق۔ یہ عالَم اور وہ عالَم اور دونوں کے احکام مختلف۔ خدارا کچھ تو سوچیے۔

استدلال ثانی

مصنّف لکھتے ہیں

"... اس کے ساتھ وہ حضرات یہ بخوبی جانتے تھے کہ حقیقۃً دینے والی اور روکنے والی اور باسط و رزاق ذات اللہ جل شانہ ہی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے حکم اور فضل سے عطا فرماتے تھے۔ اسی کو فرمایا انما انا قاسم واللّٰہ یعطی

(ص : ۸۸، اصلاح مفاہیم)

تبصرہ، مصنّف نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے وہ خود حدیث کا ایک ٹکڑا ہے اور مصنّف نے استدلال میں حد سے تجاوز کیا ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من یرد اللّٰہ بہ خیرًا یفقھہ فی الدین وانما انا قاسم واللّٰہ یعطی۔

جس کے بارہ میں اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے سوائے اس کے نہیں کہ میں تو بانٹتا ہوں خدا تعالیٰ دیتا ہے

(مشکوٰۃ، ص: ۳۲)

مولانا سرفراز خان صاحب مدظلہ العالی اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں۔

محدثین کرام رحؒ نے یہ حدیث باب العلم اور باب الغنیمت وغیرہ میں پیش کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ غنیمت اور علم وغیرہ حقیقتاً اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوتا ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس کو لوگوں میں تقسیم کر دیتے تھے اور غنیمت کی تقسیم میں بھی آپؐ اللہ تعالیٰ کے حکم کے ہر وقت پابند رہتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت خولہ رضؓ

بنتِ حکیم نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم سے عرض کی کہ اگر طائف فتح ہو تو آپ مجھ کو فلاں عورت کا زیور دے دیجیے گا، آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم نے فرمایا، اگر خدا تعالیٰ اس کی اجازت نہ دے تو پھر میں کیا کر سکتا ہوں؟ (اصابہ ج ۸ ص۷) اور شراح حدیث بھی یہی معنی بیان کرتے ہیں، چنانچہ نواب قطب الدین خان صاحبؒ مظاہرِ حق ج ۱ ص۸۷ میں لکھتے ہیں۔

یعنی میں حدیث وغیرہ بیان کر دیتا ہوں سمجھ اور فکر اور عمل اس پر جتنا باری تعالیٰ چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔

طبرانی میں یہ روایت مرفوعاً حضرت امیر معاویہؓ سے یوں مروی ہے۔

انما انا مُبلّغ واللہ یهدی و انّما انا قاسم واللہ یعطی قال الشیخ حدیث صحیح (السراج المنیر ج ۲ ص۴۷)

سو بات یہ ہے کہ میں تو مبلّغ ہوں ہدایت دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور مَیں تو صرف قاسم ہوں اور دیتا صرف اللہ تعالےٰ ہی ہے

علّامہ عزیزیؒ علّامہ مناوی کے حوالہ سے اس کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فلا تنکروا التفاضل ای کونی اُفَضِّل بعضکم علیٰ بعض فانہ بامر اللہ او المراد اقسم العلم بینکم واللہ یعطی الفهم من یشاء۔ (شرح جامع الصغیر۔ ج ۲ ص۴۷)

یعنی اگر میں تم میں سے بعض کو کم اور بعض کو زیادہ دیتا ہوں تو یہ قابلِ انکار امر نہیں کیونکہ میں خدا تعالیٰ کے حکم سے ایسا کرتا ہوں یا اس کی مراد یہ ہے کہ میں تو تم میں علم تقسیم کرتا ہوں اور اس کی سمجھ جتنی خدا تعالیٰ چاہتا ہے دیتا ہے۔

اور علّامہ الحفنیؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں۔

اقسم بینکم ما امرنی اللہ بقسمتہٖ من اموال الغنائم ونحوها او غیرها کتبلیغ الاحکام (هامش عزیزی ج ۲، ص۴۷)

مَیں تمہارے درمیان اموال غنائم اور تبلیغ احکام وغیرہ سے وہی کچھ تقسیم کرتا ہوں جسکا اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے۔

الغرض علمائے اُمّت بھی اس حدیث سے یہی کچھ سمجھتے ہیں کہ اس حدیث میں قاسم سے ہر چیز تقسیم کرنے والا مراد نہیں ہے بلکہ مالِ غنیمت علم اور احکام وغیرہ کی تقسیم مراد ہے۔

استدلال ثالث

ص۱۸۹ پر مصنف نے یہ عنوان باندھا "کیا غیر مقدور العبد چیز کا طلب کرنا شرک ہے" اور اس کے تحت استدلال کرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں۔

"قرآن کریم میں حضرت سلیمان علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا قول نقل کیا گیا ہے جو انھوں نے اپنے اہلِ مجلس کو مخاطب کر کے فرمایا تھا۔ اس مجلس میں جن و انس دونوں موجود تھے۔

یا ایھا الملأ ایکم	اپنے درباروالوں سے۔ تم میں سے کوئی ہے
یا تینی بعرشھا قبل	کہ لے آوے میرے پاس اسکا تخت پہلے اس سے
ان یاتونی مسلمین	کہ وہ آئیں میرے پاس حکم بردار ہو کر۔

حضرت سلیمان علیہ السّلام نے حاضرین مجلس سے شام میں فرمایا کہ ملک یمن سے تخت شاہی کو لائیں اور وہ بھی غیر معمولی طریقے سے تاکہ یہ بلقیس کے ایمان لانے کا سبب بنے۔ اور جب اس بڑے جن نے کہا۔

انا آتیک بہ قبل ان تقوم من مقامک۔ میں لائے دیتا ہوں وہ آپ کو پہلے اس سے کہ آپ اُٹھیں اپنی جگہ سے۔

یعنی چند ساعت میں لاتا ہوں تو حضرت سلیمان علیہ السّلام نے فرمایا کہ میں اس سے بھی جلدی چاہتا ہوں تو انسانوں میں سے اس آدمی نے جو کتاب کے عالم تھے اُن کا شمار صدیقین میں سے تھا وہ فرمانے لگے۔

انا آتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک	میں لے آتا ہوں آپ کے آنکھ جھپکنے سے پہلے

حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں میں ایسا ہی چاہتا ہوں، چنانچہ اس آدمی نے دُعا کی اور تخت اسی وقت حاضر ہو گیا۔ ہاں یہ تخت کو اس طریقہ پر لانا انسان یا جنات کی قدرت سے باہر ہے اللہ کے علاوہ کوئی اس پر قادر نہیں۔ یہ جانتے ہوتے بھی حضرت سلیمان علیہ السّلام نے اپنے اہلِ مجلس سے اس کا تقاضا کیا اور صدیقیت کے درجے پر فائز اس بندے نے حامی بھر لی کہ میں کر دوں گا، تو کیا اس طلب کرنے کی وجہ سے حضرت سلیمان علیہ السّلام کافر ہو گئے؟ العیاذ باللہ اور وہ

اللہ کے ولی جواب دے کر مشرک بن گئے ہ حاشا وکلا ہرگز ایسا نہیں ہوا بلکہ اس جگہ دونوں کے کلاموں میں فعل کی نسبت بطور مجاز عقلی کے ہے۔" (اصلاحِ مفاہیم ص۱۷۹)

تبصرہ

مصنّف نے عجیب استدلال کیا ہے ہم یہ بتا چکے ہیں کہ مصنّف اس بات کے قائل ہیں کہ انبیاء و اولیاء کو اللہ تعالیٰ نے تصرف کی قدرت دے رکھی ہے۔ مصنّف یا تو اپنے استدلال میں اسی کو بُنیاد بنا رہے ہیں یا پھر وہ یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ اولیاء کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ مقام حاصل ہے اور اُن کو اس کا شعور بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کی دُعا کو رَد نہیں کرتے اور لامحالہ ضرور ہی پُورا کرتے ہیں۔ اسی لیے ان صاحب علم نے حاصل شُدہ قدرتِ تصرف یا مقامِ دُعا کے اعتماد پر یہ کیا کہ وہ پلک جھپکنے سے پہلے تخت کو لا دیں گے اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے بھی انہی بُنیادوں کی بناء پر ایسا مطالبہ رکھا جو بقول مصنّف جن و انس کی قدرت سے باہر تھا

لیکن مصنف کا یہ استدلال اور اس استدلال کی بُنیادیں سب ہی حق کے خلاف ہیں۔ مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں وضاحت فرمائی ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے مطالبہ کی یہ نوعیت ہو کہ وہ جنوں کی قدرت سے بھی باہر ہو۔ پھر یا تو وہ نبی کا معجزہ تھا یا ولی کی کرامت تھی اور معجزہ ہو یا کرامت وہ براہِ راست اللہ تعالیٰ کا فعل و تصرف ہوتا ہے اور اس کا وقوع محض اللہ تعالیٰ کی حکمت کے تقاضے پر ہوتا ہے کسی کی دُعا پر اس کا وقوع ضروری نہیں باقی صاحبِ علم کا یہ کہنا کہ میں اس کو لے آتا ہوں اور جزم کے ساتھ کہنا تو اگر وہ خود حضرت سلیمان علیہ السّلام تھے تو وحی کے بتلانے سے ایسا کہا اور اگر وہ صحابی و ولی تھے تو نبی کے بتلانے سے کیا ہوگا۔

مولانا تھانوی رحمہ اللہ کی تفسیر ملاحظہ فرمایئے۔

"تخت کا منگانا غالباً اس غرض سے ہے کہ وہ لوگ میرا معجزہ بھی دیکھ لیں کیونکہ اتنا بڑا تخت اور پھر اس کا ایسے سخت پہروں میں اس طور پر یکایک آجانا کہ اطّلاع تک نہ ہو عادتِ بشریہ سے خارج ہے (دیکھیے مولانا تھانوی نے یہاں جن کا ذکر نہیں کیا) اگر تسخیر جن سے ہے تب بھی خود بخود مسخر ہو جانا خارقِ عادت ہے اور اگر بواسطہ کرامت کسی ولی اُمّت کے ہے تو

ولی کی کرامت نبی کا معجزہ ہے اور اگر بلاواسطہ ہے تو براہِ راست معجزہ ہے بہرحال ہر طور پر یہ اعجاز اور دلیلِ نبوّت ہے... بعض مفسرین نے یہ قول سلیمان علیہ السلام کا کہا ہے اور وجوہ متعددہ سے جو کہ کبیر میں مذکور ہیں۔ یہی قول راجح معلوم ہوتا ہے... اور اس صورت میں سوال سلیمان علیہ السلام کا بطور امتحان اور اظہار عجز جنات کے ہوگا اور یہ غرض تقدیر اوّل (یعنی یہ کہ صاحب علم صحابی ہوں) پر بھی ہو سکتی ہے کہ آپ کو معلوم ہو کہ اس صحابی سے یہ کرامت صادر ہوگی اور سوال کرنا جنات کو سُنانا اور دکھلانا ہو کہ جو قوّت میرے مستفیدین میں ہے وہ تم میں بھی نہیں۔"

خاتمہ

کتاب 'اصلاح مفاہیم' پر ناشرین کی جانب سے مطلوبہ تبصرہ میں ہم نے اس کتاب میں موجود بہت سی اغلاط کی نشاندہی کی اور اُن کے غلط ہونے کو دلائل سے ثابت کیا اور یہ سب کچھ المستشار مؤتمن اور الدین النصیحۃ کے تحت کیا۔ کوئی بھی شخص ہماری کسی بھی بات کو دلائل سے غلط ثابت کرے تو انوارِ مدینہ کے صفحات اسکے لیے حاضر ہیں۔ ہم توقع کرتے ہیں کہ مترجم و ناشرین حضرات مصنف کی اغلاط کو محسوس کرتے ہوئے مصنف کی بھی اصلاح کی کوشش فرمائیں گے اور خود بھی ان سے بچیں گے۔ وما علینا الا البلاغ

اِس دینی رسالہ سے آپکا تعاون آپ کے اَجر اور اسکے استحکام، بقاء، اور ترقی کا باعث ہوگا۔

★ اِس کے خریدار بنیئے اور دوسروں کو خریدار بنائیے۔
★ اِس میں اشتہار دیجئے اور دوسروں سے دلوائیے۔
★ اِس کے لیے مضامین لکھیئے اور اپنے مضمون نگار دوستوں کو اس کیلئے مضمون لکھنے کی ترغیب دیجئے۔

انوار مدینہ
لاہور

اصلاحِ مفاہیم کی ایک تقریظ پر تائیدی دستخط سے رجوع

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ سیالکوٹ کے مہتمم مولانا حکیم محمد عبد الواحد صاحب، ڈاکٹر عبد الواحد صاحب کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

آج سے تقریباً سات سال قبل لاہور میں علماء کے ایک اجلاس میں ہماری ایک واجب الاحترام شخصیت نے جن کے ساتھ سیّد محمد علوی مالکی صاحب کے دیرینہ تعلّقات چلے آرہے ہیں، وہ اُس وقت کی مجلس کے مہمان خصوصی تھے، چنانچہ سیّد محمّد علوی مالکی کا بہترین الفاظ و انداز میں تعارف کرایا گیا اور صاحبِ مجلس نے کتاب اور صاحبِ کتاب کے بارے تفصیلات بتائیں، جس کے بعد محض خوش فہمی اور صرف حُسنِ ظن کے پیشِ نظر بلا مطالعہ کیے صاحبِ مجلس پر اعتماد کرتے ہوتے میں نے بھی تائیدی دستخط ثبت کر دیے،

آج میری نظر سے محترم المقام حضرت نفیس شاہ صاحب دامت برکاتہم کی اپنی تقریظ سے رجوع فرمانے کی تصریحات گذریں مجھے قبلہ شاہ صاحب مدّظلہ العالی کی رجوع کے سلسلے میں بیان کی گئی تفصیلات سے مکمل اتفاق ہے، چونکہ میں بھی تائیدی دستخط کرنے کا قصوروار ہوں، اس لیے میں بھی اس سے رجوع کرنے کا اعلان کرتا ہوں اور واضح کرتا ہوں کہ میرا مسلک "اَلْمُهَنَّدُ عَلَی الْمُفَنَّدْ" کے مطابق ہے، جو اکابرِ علماء دیوبند رحمہم اللہ کی تائیدی و تصدیقی دستاویز ہے، نیز یہ بھی اعلان کرتا ہوں کہ حضراتِ علماء دیوبند اہل السنّت والجماعت کی تحقیقات سے متعارض یا متصادم یا متقابل نظریات سے میرا بالواسطہ یا بلا واسطہ کوئی تعلّق نہیں ہے،

اَلْعَبْدُ الْعَاجِزْ

محمد عبد الواحد غفرلہٗ ولوالدیہ ولاخویہ السیالکوٹی

۲۰-۹-۹۴